بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

فوجی حکومت اور عوام کے جمہوری حقوق

قاضی حسین احمد

پاکستان کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو فوجی حکومتوں کے طویل ادوار میں عوام کے جمہوری حقوق کی صورت حال دگرگوں نظر آتی ہے۔ آج بھی صورت حال مختلف نہیں ہے۔ جنرل پرویز مشرف صاحب نے ملک میں ایک ایسے نظام حکومت کی داغ بیل ڈالی ہے جس میں فردِ واحد کلی اختیارات کا مالک ہے۔ وہی افواج کا سربراہ ہے' وہی مملکت کا بااختیار صدر ہے' وہی قومی سلامتی کونسل کا صدرنشین ہے' غرض وہ ملک وقوم کے سیاہ وسفید کا بلاشرکتِ غیرے مالک ہے۔ ہر اہم معاملے میں آخری فیصلہ اسی کے ہاتھ میں ہے۔ داخلی اور خارجی تمام امور میں حکومتی اعیان وانصار اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ وہ پارلیمنٹ سے بھی بالاتر ہے۔ وزیراعظم اس کا ایک نمایندہ ہے۔ حکومتی پارٹیاں اس کے گرد متحد ہیں اور اس کی ہر پالیسی اور ہر اقدام کی مویّد ہیں۔ اس کے علاوہ کسی فرد یا ادارے کی یہ مجال نہیں کہ کسی بھی اہم معاملے میں وہ کوئی آخری اور حتمی فیصلہ کرسکے۔

فوجی اصطلاح میں اسے Unity of Command کہتے ہیں۔ پرویز مشرف کے مطابق یہ صورتِ حال ملک کے سیاسی اور معاشی استحکام کی ضمانت ہے۔ پرویز مشرف صاحب کے ان کلی اختیارات کا منبع وہ فوجی انقلاب ہے جو پاکستانی فوج نے اس وقت برپا کیا جب پرویز مشرف صاحب ہوائی جہاز کے ذریعے بیرون ملک دورے سے واپس آرہے تھے اور اس وقت کے

وزیراعظم نے ان کے ہوائی جہاز کو رُخ موڑنے کا حکم دے دیا تھا۔ کورکمانڈروں کے اجتماعی فیصلے کے تحت وزیراعظم کا یہ حکم تسلیم کرنے سے انکار کر دیا گیا اور اس طرح ایک فوجی انقلاب برپا ہو گیا۔

سابقہ حکومت کی غلطیاں اور موجودہ حکمران

بلاشبہہ حالات کو یہاں تک لانے میں میاں نواز شریف صاحب کی غلطیاں بھی شامل تھیں۔ میاں صاحب بھی کلی اختیارات کے آرزومند تھے۔ پہلی بار جب اسلامی جمہوری اتحاد آئی جے آئی کے تحت وزیراعظم بنے تو ایک آئینی ترمیم کے ذریعے مختارکل بننا چاہتے تھے۔ ہم نے انھیں مشورہ دیا کہ وہ ان عزائم کو چھوڑ کر ایک مہذب اور شائستہ جمہوری نظام کی داغ بیل ڈالیں۔ کلی اختیارات فقط اس ذات بے ہمتا کو حاصل ہیں، جس کا علم کامل ہے، جو سمیع وبصیر، جو علیم وخبیر ہے اور جس کے ہاتھ میں پوری کائنات کے اقتدار کی کنجیاں ہیں اور وہی بادشاہی کا مالک ہے۔

ہم نے اُن سے یہ بھی گزارش کی کہ ملک وملّت کا مفاد آئینی ضابطوں کی پابندی میں ہے۔ تقسیم کار کے لیے اداروں کی تشکیل کریں اور ان پر اعتماد کریں۔ عدلیہ اور انتظامیہ کو الگ کر دیں۔ انصاف اور عدل پر مبنی فیصلے کرنے کے لیے عدلیہ کی بالادستی کو دل سے تسلیم کریں۔ قرآن وسنت کو آخری مرجع تسلیم کر کے تنازعات کو اللہ اور رسولؐ کے احکام کے مطابق حل کرنے کے لیے دل وجان سے آمادہ ہوں۔ میاں نواز شریف یہ برادرانہ مشورہ قبول کرنے کے بجاے ہم سے ناراض ہو گئے۔ مجبوراً ہم اسلامی جمہوری اتحاد سے علاحدہ ہو گئے۔ اس کے بعد میاں صاحب کا اقتدار بھی زیادہ عرصہ باقی نہیں رہا۔ اب معلوم نہیں کہ میاں صاحب نے اس ساری صورتِ حال سے کہاں تک سبق حاصل کیا ہے۔

اپنا کام نکالنے کے لیے امریکا اور اس کے مغربی حواریوں نے پرویز مشرف صاحب کو یہ پٹی پڑھائی ہے کہ وہ عبقری صلاحیتوں کے مالک ہیں اور ان کی وجہ سے ملک کو سیاسی اور معاشی استحکام ملا ہے۔ پرویز مشرف کے گرد جو سیاسی عناصر اکٹھے ہوئے ہیں وہ خود اپنے پاؤں پر

کھڑے ہونے کی صلاحیت سے محروم ہیں' انھیں فوجی اقتدار کی بیساکھیوں کی ضرورت ہے۔ یہ لوگ نواز شریف اور بے نظیر کی واپسی سے خائف ہیں اور پرویز مشرف کی وردی کے بغیر نواز شریف اور بے نظیر کو باہر رکھنا انھیں ممکن نظر نہیں آتا۔ انھیں خوف ہے کہ جب پرویز مشرف اپنا فوجی عہدہ چھوڑ دیں گے اور ملک میں آئین بحال ہوجائے گا' عدالتیں کام کرنے لگیں گی' سیاسی جماعتیں مکمل طور پر آزاد ہوجائیں گی تو فوج کی چھتری کے ذریعے حاصل شدہ تحفظ باقی نہیں رہے گا اور ان کی شامت آجائے گی۔ اس لیے یہ پرویز مشرف کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں اور ان کی ناجائز اور غیر آئینی حکومت کو قانونی جواز فراہم کرنے کے لیے ہر ذلت قبول کرنے کے لیے تیار ہیں۔

امریکا کے جمہوریت پسندی کے دعوے کی حقیقت

امریکی حکومت اپنے وقتی مصالح کی خاطر نہایت ڈھٹائی سے اپنی جمہوریت پسندی کے دعووں کا مذاق اڑا رہی ہے۔ منافقت اور دہرے معیار کا جو مظاہرہ امریکی کارپردازان پرویز مشرف کی فوجی آمریت کو برقرار رکھنے کے لیے کررہے ہیں' اس سے امریکا کی خودغرضی کھل کر سامنے آگئی ہے اور اس کے چہرے سے منافقت کا نقاب مکمل طور پر اتر گیا ہے۔

عالمی طاقت کی حیثیت سے روس کی پسپائی کے بعد امریکا ایک ایسے عالمی نظام (New World Order) کا علم بردار بن گیا ہے جس کی قیادت' وہ چاہتا ہے کہ مکمل طور پر اس کے ہاتھ میں ہو' وہ پوری دنیا کے سیاہ وسفید کا مالک ہو' تمام اقوام اس کے تابع ہوں' اقوام متحدہ کا ادارہ اس کی لونڈی ہو اور مغربی ممالک کے ساتھ مل کر وہ باقی دنیا پر سیاسی' معاشی' ثقافتی' تعلیمی اور معاشرتی ہمہ گیر غلبہ حاصل کرلے۔ اس ہمہ گیر غلبے کی خاطر وہ ہرحربے کو استعمال میں لانا اپنا حق سمجھتا ہے۔ کسی طرف سے امریکا کو کوئی خطرہ محسوس ہو تو اس کے تدارک کے لیے وہ پیشگی حملے (pre-emptive attack) کو وہ اپنے لیے جائز سمجھتا ہے۔

○ **لادین نظام تعلیم کے نفاذ کی کوششیں:** مسلمان ممالک میں لادین نظام رائج کرنا اور اس کے لیے مسلمان ممالک کے نصاب تعلیم سے قرآن وسنت کی تعلیمات کو خارج کرنا

امریکا کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے پاکستان میں پرنس کریم آغاخان کو ذریعہ بنانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ تعلیم کی عالم گیریت (Globlisation of Education) پر بھارت میں کریم آغاخان کی تقریر پر تبصرہ کرتے ہوئے دہلی کا اخبار دعوت رقم طراز ہے:

گذشتہ دنوں بین الاقوامی شہرت یافتہ آغاخان فاؤنڈیشن کے سربراہ کریم آغاخان ہندستان کے دورے پر آئے تھے۔ بتایا جاتا ہے کہ وہ اسماعیلی خوجہ فرقہ کے روحانی پیشوا ہیں مگر دل چسپ امر یہ ہے کہ ان کا مولد و مسکن ہندستان یا ایران نہیں ہے اور نہ مشرق کی کوئی سرزمین اور خطۂ ارضی ان کی جاے رہایش و پیدایش ہے بلکہ دور دراز علاقے یعنی دیارِ مغرب کا ایک نہایت اہم حصہ فرانس ان کا مرکز و محور ہے۔ یہ امر اس سے کہیں زیادہ دل چسپی کا باعث ہے کہ وہ رہتے تو فرانس یعنی مغرب میں ہیں۔ مگر ان کا دل مشرقیوں کے لیے دھڑکتا ہے، اس لیے کہ ان کی بیشتر معلوم سرگرمیوں اور دل چسپیوں کا مرکز یہی خطہ ہے۔ ان کی معلوم سرگرمیاں، دلچسپیاں اور فنون لطیفہ، آرٹ، کلچر اور تعلیم سے وابستہ رہی ہیں۔ وہ برصغیر کو اپنی کرم فرمائیوں سے اکثر نوازتے رہتے ہیں اور خاص خاص موقعوں پر نہایت خاص مقاصد کے تحت ادھر کا رخ کرتے ہیں اور جب بھی یہاں آتے ہیں، ان کی زبردست پذیرائی ہوتی ہے۔ سرکاری طور پر ان کا استقبال کیا جاتا ہے اور ان کے ساتھ ٹھیک وہی سلوک کیا جاتا ہے جو کسی سربراہِ مملکت کے ساتھ ہوتا ہے۔ گویا حکومتِ ہند اور اس خطے کی دوسری حکومتوں کو ان کے مقام و مرتبے کا پورا پورا ادراک ہے۔ وہ ان کے مقاصد اور مشن سے بھی آگاہ ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس بار بھی جب وہ یہاں پہنچے تو ان کا پرتپاک خیرمقدم کیا گیا۔ وہ صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام کے خاص مہمان رہے اور ان کے ساتھ مختلف امور پر تبادلہ خیال کیا۔ انھیں آغاخان فاؤنڈیشن کی سرگرمیوں اور دل چسپیوں کے میدانوں سے آگاہ کیا اور بتایا کہ ان کی تنظیم سماجی، تعلیمی اور حفظان صحت کے میدانوں میں کام کررہی ہے اور اب وہ اپنا دائرہ کار

بڑھانا چاہتی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ آغا خان فاؤنڈیشن فی الحال گجرات اور مہاراشٹر میں سرگرم عمل تھا مگر اب وہ مدھیا پردیش اور چھتیس گڑھ کے قبائلی علاقوں پر خصوصی توجہ دینا چاہتا ہے۔ اسی طرح فاؤنڈیشن نے تعلیم نسواں کو بھی اپنی توجہ کا خصوصی ہدف بنایا ہے۔ انھوں نے روزنامہ ٹائمز آف انڈیا کے نمایندے کو دیے گئے انٹرویو میں اپنے اہداف و مقاصد پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ پوری دنیا میں جس طرح بنیاد پرستی کے رجحان میں اضافہ ہو رہا ہے' وہ ان کی تشویش کا ایک مرکز ہے اور وہ چاہتے ہیں یہ سختی اور مزاج کی ناہمواری دور ہو۔ انھوں نے کہا کہ تعلیم کو عام کرنے سے یہ چیز ختم کی جاسکتی ہے۔ علم ایک ایسا ہتھیار ہے جو کبھی ضائع نہیں ہوتا' ناگہانی آفتوں میں بھی یہ بڑا سہارا بنتا ہے۔ ایک سوال کے جواب میں انھوں نے کہا کہ یہی ان کی اور ان کے فرقے کی اصل قوت ہے' لیکن ساتھ ہی انھوں نے یہ بھی کہا کہ تعلیم کو آج کے تقاضوں یعنی عصری تقاضوں کا جس طرح ساتھ دینا چاہیے تھا' ہندستان میں اس کی کمی شدت سے محسوس کی جاتی ہے۔

گلوبلائزیشن کا عمل جس طرح زندگی کے دوسرے شعبوں میں جاری ہے اور وہاں جس رفتار کے ساتھ وہ آگے بڑھ رہا ہے تعلیم کے میدان میں بالخصوص ہندستان میں وہ چیز مفقود ہے' گویا ان کے مطابق جس طرح معاشی میدان میں گلوبلائزیشن کے اصول کو اپنایا گیا ہے اور دوسرے میدانوں میں جس طرح اس کو تسلیم کرلیا گیا ہے' ٹھیک اسی طرح تعلیم کے میدان میں بھی اس اصول کو نہ صرف متعارف کرانے کی ضرورت ہے بلکہ اس پر قدم آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔ ان کے مطابق اس کے بغیر دنیا کا اور خاص طور پر ترقی یافتہ دنیا کا مقابلہ ناممکن ہے۔ اگر ہندستان اور اس جیسے دوسرے کمزور اور پس ماندہ ملکوں کو ترقی کرنی ہے تو انھیں اس پر سنجیدگی سے غور کرنا پڑے گا۔ انھوں نے ایک نہایت اہم پیغام یہ بھی دیا ہے کہ روح عصر کو سمجھنے کی ضرورت ہے اور ان کے مطابق روح عصر یہ ہے کہ ایک عالمی آفاقی انسانی برادری جنم لے رہی ہے جس کا منبع نظم وانصرام ایک دستور ہوگا یعنی یہ عالمی و آفاقی اور انسانی

برادری ایک دستور کے ماتحت ہوگی' اس میں جغرافیائی حالات اور مختلف قبائلی و نسلی تقاضوں کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ اب یہ ایک حقیقت بن چکی ہے' اس کا جتنا جلد ادراک کرلیا جائے' دنیا کے لیے اتنا بہتر ہے۔ ان کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اب قومی ریاستوں (Nation-States) کا دور قصہ پارینہ ہوگیا' اب عالمی حکومت ایک حقیقت بن چکی ہے' کوئی مانے یا نہ مانے یہ ہوکر رہنا ہے' اگر اس کو تسلیم کرلیا جائے اور اس کا ساتھ دیا جائے تو تصادم اور تخریب سے بچا جاسکتا ہے۔(سہ روزہ دعوت' دہلی' یکم دسمبر ۲۰۰۴ء)

○ **پاک بھارت مشترکہ تعلیمی نصاب:** جنرل پرویز مشرف ایک بھارتی نشریاتی ادارے کو انٹرویو دیتے ہوئے پہلے پاکستان اور بھارت کے مشترک تعلیمی نصاب کی پیش کش کر چکے ہیں۔ پاکستان کے لاکھوں طلبہ پہلے ہی او (O) اور اے (A) لیول کے امتحان دے رہے ہیں اور اس طرح اپنے قومی نصاب کی پابندی سے آزاد ہوچکے ہیں۔ جو رہی سہی کسر باقی ہے' اسے آغا خان بورڈ کے ذریعے پورا کرنے کے ارادے ہیں۔ مغرب اور امریکا پاکستان کے تعلیمی نصاب اور دینی مدارس میں اسلامی نظام تعلیم کو دہشت گردی کی جڑ سمجھتے ہیں۔ وہ اس نظام کو ختم یا تبدیل کرنا چاہتے ہیں' مگر یہ ان کی خام خیالی ہے۔ مسلمانوں کے عقیدے سے شہادت اور جہاد فی سبیل اللہ کی اہمیت کو خارج کرنا ممکن نہیں ہے۔ واشنگٹن ٹائمز میں ایک امریکی دانش ور اپنے ایک مضمون میں صراحت کے ساتھ لکھتا ہے کہ مسلمانوں کی دہشت گردی کی جڑ خود قرآن کریم کی تعلیمات ہیں اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ایک دہشت گرد اور انتہا پسند اقلیت نے مسلمانوں اور اسلام کو یرغمال بنا رکھا ہے بلکہ اصل مسئلہ خود قرآنی تعلیمات کا پیدا کردہ ہے۔ لہٰذا مسئلے کا حل یہ ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات کو تبدیل کرنے پر اعتدال پسند مسلمانوں کو آمادہ کیا جائے۔ اس طرح کے دانش وروں کے زیراثر امریکی حکومت ایک طرف مسلمان ممالک میں پرویز مشرف جیسے حکمرانوں کی پشت پناہی کررہی ہے جو ''اعتدال پسند روشن خیالی'' (Enlightened Moderation) کے نام پر اسلام کی بنیادی تعلیمات کو تبدیل کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور ساتھ ہی نظام تعلیم کو تبدیل کرنے کے لیے N.G.Os (غیر سرکاری اداروں) پر

بے دریغ روپیا خرچ کر رہے ہیں۔ اس مقصد کے لیے کثیرالقومی تجارتی کمپنیوں کی وسیع افرادی قوت اور ڈھانچا اور ان کے وسائل بھی استعمال میں لائے جا رہے ہیں۔ ذرائع ابلاغ بھی انھی بین الاقوامی تجارتی کمپنیوں کے ہاتھ میں ہیں' جو دن رات اشتہارات کے ذریعے اسلامی ثقافت کو تبدیل کرنے اور مغربی اور ہندوانہ ثقافت کو ترویج دینے کا شیطانی فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔

❍ **مغربی اقدار کا فروغ اور تعلیمی نظام میں تبدیلی :** امریکا کے مشہور تھنک ٹینک بروکنگز کے دانش ور اسٹیفن کوہن اپنی زیرطبع کتاب *The Idea of Pakistan* میں لکھتے ہیں کہ پاکستان طویل عرصے سے امریکا کا مخالف (adversary) ہے' جب کہ امریکا کو اپنے فوری مقاصد حاصل کرنے کے لیے اس کے تعاون کی ضرورت ہے۔ طویل عرصے کے مدمقابل اور مخالف ہونے کی وجوہات میں سے ایک یہ ہے کہ پاکستان ایٹمی توانائی کا مالک ہے اور اس کی یہ صلاحیت امریکی عزائم اور علاقے میں اس کے مفادات کے لیے کسی وقت خطرہ بن سکتی ہے' جب کہ دوسری وجہ اسلامی نظریے سے پاکستان کی وابستگی ہے۔ لہٰذا اسٹیفن کوہن تجویز پیش کرتا ہے کہ لمبے عرصے کے خطرات سے بچنے کے لیے' امریکا یہ حکمت عملی اختیار کرے کہ مختصر عرصے میں پاکستان کو جو امداد دینا ضروری ہو' وہ امداد اس شرط کے ساتھ مشروط ہو کہ پاکستان اپنا نظام تعلیم و تربیت مغربی اقدار کے مطابق کر دے اور اس سے قرآن و سنت پر مبنی تعلیمات نکال دے اور اپنے ایٹمی پروگرام کو roll back (لپیٹ) کر دے۔

ایک یورپی ادارے International Crisis Management (ICMG) Group نے قرآن و سنت پر مبنی تعلیمات کو نفرت انگیز مواد (hatred material) قرار دیا ہے اور حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا ہے کہ اپنے نصاب تعلیم سے اس مواد کو خارج کر دے۔ ہلیری کلنٹن نے سینٹ کی ایک کمیٹی کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ پرویز مشرف اپنے ملک کے نظام تعلیم کو تبدیل کرنا چاہتا ہے اور دینی مدارس کو مکمل طور پر حکومت کی تحویل میں لے کر اس کے نصاب کو جدید خطوط پر ترتیب دینے کے لیے تیار ہے لیکن اس کے لیے وہ ایک سوملین ڈالر کی رقم کو قطعی ناکافی سمجھتا ہے جس کی پیش کش اس وقت حکومت امریکا نے

کر رکھی ہے۔ ہیلری کلنٹن نے سفارش کی ہے کہ اس مقصد کی خاطر حکومت پاکستان کو کم از کم پانچ سو ملین ڈالر کی امداد دی جائے۔

ملکی عدمِ استحکام

درج بالا گزارشات سے مقصود یہ ہے کہ قارئین کے سامنے حالات کا وہ رخ پیش کر دیا جائے جن کا اس وقت عالم اسلام اور پاکستان کو سامنا ہے۔ پرویز مشرف کی آمرانہ روش جہاں پاکستان کے داخلی حالات کے پیش نظر خطرناک ہے' وہاں امریکا اور اس کے نظام کا اتحادی ہونے کی وجہ سے ہماری آزادی وخودمختاری اور ہمارے قومی وملی تشخص اور اسلامی نظریاتی بنیاد کے لیے بھی ایک خطرہ ہے۔ اس وقت پرویز مشرف کی پالیسیوں کی وجہ سے امریکا کی جنگ ہمارے ملک کے اندر تک پہنچ گئی ہے۔ وزیرستان میں قبائل اور فوج میں آویزش ہے' جب کہ دوسرے قبائلی علاقوں میں بھی فوج پہنچ گئی ہے اور شدید خطرہ ہے کہ فوج اور قبائل کی یہ آویزش پورے قبائلی علاقے میں پھیل جائے۔ اس کے لیے بہانہ یہ بنایا جا رہا ہے کہ القاعدہ کے مجاہدین قبائلی علاقے میں پناہ لیے ہوئے ہیں اور اگر پاکستانی فوج ان کا صفایا نہیں کرے گی تو امریکی افواج کی براہ راست مداخلت کا خطرہ ہے۔ امریکی افواج کی مداخلت کو روکنے کے لیے اپنے عوام کے خلاف فوجی کارروائی کرنے کی منطق کو کوئی بھی جرات مند محبِّ وطن فرد قبول نہیں کر سکتا۔

پرویز مشرف صاحب نے بلوچ قبائل کو جس لہجے میں دھمکی دی ہے' وہ لہجہ دشمن ملک کے لیے تو مناسب ہوسکتا ہے لیکن اپنے ہی ملک کے کسی گروہ کے لیے چاہے وہ کتنا ہی منحرف ہو چکا ہو' یہ لہجہ استعمال کرنا دانش مندی نہیں ہے۔ داخلی مسائل ہمیشہ سیاسی گفت وشنید اور لچک دار رویے سے حل کیے جاتے ہیں لیکن فوجی آمر اس سیاسی دانش سے محروم ہوتا ہے۔ بلوچستان کے بعض سرداروں کو حکومت کے بدعنوان کارپردازوں نے جو چھوٹ دے رکھی ہے اور قبائل کے عام افراد کو جس طرح ان کے رحم وکرم پر دے دیا گیا ہے' اس کے نتیجے میں بلوچ قبائل میں ایک مستحکم اور پایدار جمہوری کلچر کی نشو ونما نہیں ہوسکتی۔ یہی حال صوبہ سرحد کے قبائلی علاقوں کا ہے۔ اس کے نتیجے میں جو لاوا پک رہا ہے' وہ کسی بھی وقت پھٹ سکتا ہے۔ فوجی آمریت کے پاس اس

کا کوئی حل نہیں ہے۔

تحریک آزادی کشمیر کو درپیش خطرات

کشمیر کے مسئلے پر بھارت کے ساتھ ہنی مون ختم ہونے کے قریب ہے۔ اعتماد بحال کرنے کے اقدامات (CBM) کے حوالے سے جو مذاکرات شروع کیے گئے تھے، بگلیہار ڈیم کے مذاکرات ناکام ہونے سے ان کی حقیقت واضح ہوگئی ہے۔ بھارت یہ کہنے کے لیے بھی تیار نہیں ہے کہ ریاست جموں و کشمیر ایک متنازع علاقہ ہے۔ وہ اب تک اسی پرانی رٹ پر قائم ہے کہ پوری ریاست بشمول شمالی علاقہ جات اور آزاد کشمیر، بھارت کا اٹوٹ انگ ہے۔ پرویز مشرف صاحب امریکا کے ساتھ اپنے خصوصی تعلقات کے زعم میں اس قدر آگے بڑھ گئے ہیں کہ انھوں نے کشمیر کے سات ٹکڑے کردینے کی ایک متبادل تجویز پیش کردی، جب کہ بھارت اپنے اٹوٹ انگ کے موقف سے ایک انچ پیچھے نہیں ہٹا۔

کشمیر پر پاکستان کے موقف کی ایک تاریخ ہے اور اس موقف کی مستحکم بنیاد اقوام متحدہ کی قراردادیں ہیں۔ تقسیم ہند کے نامکمل حصے کے طور پر جب تک اقوام متحدہ کی قراردادوں کے تحت یہ تنازع حل نہیں ہوپاتا، اس وقت تک یہ ایجنڈا نامکمل ہے۔ اس قانونی بنیاد کے بغیر بھارت اسے علاحدگی پسندوں کی ایک تحریک قرار دے گا اور بھارت میں اس طرح کی بیس سے زیادہ تحریکیں موجود ہیں۔ کشمیر کا مسئلہ ان تحریکوں سے کلی طور پر الگ نوعیت کا ہے۔ کشمیر کبھی بھی بھارت کا حصہ نہیں تھا۔ بھارت کا قبضہ ظالمانہ، ناجائز اور غیر اخلاقی ہے اور اس کے خلاف کشمیریوں کی آزادی کی جدوجہد ایک جائز جدوجہد ہے اور اقوام متحدہ کے چارٹر کے مطابق دنیا کی تمام آزادی پسند اقوام کا فرض ہے کہ آزادی کی جدوجہد میں کشمیریوں کا ساتھ دیں۔ اگر اقوام عالم اس مسئلے میں خاموشی اختیار کیے ہوئے ہیں تو اس کی وجہ ایک تو بھارت کے ساتھ ان کے تجارتی اور سیاسی مفادات کی وابستگی ہے اور دوسری وجہ خود پاکستان کے حکمرانوں کی سفارتی اور اخلاقی کمزوری ہے۔

پاکستان کی بدقسمتی ہے کہ ابتدا سے یہاں اکثر حکومتوں نے اپنے ملک کے عوام کی

آزادیوں اور حقوق کو چھیننے اور دبانے کی کوشش کی ہے۔ پرویز مشرف کی حکومت غیر جمہوری اور غیر آئینی حکومتوں کے تسلسل کا حصہ ہے۔اس طرح کی حکومتوں میں اخلاقی جرات کا فقدان ہوتا ہے۔جس حکومت نے خود اپنے عوام کے حقوق کو غصب کر رکھے ہوں' وہ کسی دوسرے ملک کی بے انصافیوں اور غاصبانہ قبضے کے خلاف کیونکر آواز اٹھا سکتی ہے۔حکومتِ پاکستان' بھارت کے خلاف عالمی سطح پر ایک موثر سفارتی مہم چلانے میں اسی وجہ سے ناکام رہی ہے کہ اس نے اپنے ہاں شہری آزادیاں سلب کر رکھی ہیں۔

فوج کو متنازع بنانے کی پالیسی

اس وقت پاکستان کو ان مخدوش حالات سے نکالنے اور اسے ایک مستحکم سیاسی اور معاشی بنیاد فراہم کرنے کی ذمہ داری پاکستان کے عوام پر آپڑی ہے۔ پرویز مشرف نے فوج کے ادارے کو سیاست میں بری طرح ملوث کر دیا ہے۔جو ادارہ سیاست میں اس قدر دھنس جائے اس میں اختلافات پیدا ہونا ایک طبعی امر ہے۔قومی سلامتی کونسل کے ادارے کی مخالفت خود ایس ایم ظفر نے کی ہے جو ایم ایم اے کے ساتھ مذاکرات میں حکومت کے قانونی مشیر تھے۔انھوں نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ جس ادارے میں حزب اختلاف اور حزب اقتدار کے لیڈر آمنے سامنے بیٹھے ہوں اور افواج پاکستان کے سرکردہ سربراہ بھی ان کے ساتھ ہوں' تو اس ادارے میں ان کا ایک طرف جھکاؤ اور اختلاف راے ایک بدیہی امر ہے۔

جنرل پرویز مشرف کی وجہ سے عوام میں فوجی ادارے کے بارے میں بدگمانیاں پیدا ہوگئی ہیں اور عوام سمجھتے ہیں کہ فوجی حکومت ملّی اور قومی امراض کا مداوا نہیں کر سکتی۔پرویز مشرف کے خلاف تحریک صرف اس کی ذات تک محدود نہیں ہے بلکہ عوام کی طرف سے فوجی ادارے کو سیاسی ادارے کے طور پر مسترد کرنے کی تحریک ہے۔ پرویز مشرف کے بعد کسی اور جرنیل کی مداخلت بھی برداشت نہیں کی جائے گی۔

موجودہ تحریک کے مراحل

حالیہ تحریک کے پہلے مرحلے میں ہم نے عوام کو یہ ہدف دیا ہے کہ ملکی سیاست سے فوج

کو فارغ کرنے کا عزم کرلیں۔ سیاسی جماعتوں کے اندر بھی پہلے ہی سے ایک ضابطہ اخلاق پر اتفاق ہونا لازمی ہے کہ آئین کی مکمل پاسداری کا عہد کریں' نہ خود آئین کے کسی بنیادی کلیے کو توڑنے کی کوشش کریں اور نہ فوج کو یہ موقع دیں کہ وہ سیاسی جماعتوں کے اختلافات اور بدعنوانیوں کو بہانہ بنا کر آئینی ضابطوں کو معطل کرسکیں۔ ماضی میں سول حکومتوں کی ناکامی اور ان کے خلاف عوامی تحریکوں کا سبب یہی تھا کہ انھوں نے آئینی ضابطوں کو پامال کیا اور مطلق العنان حکومتیں قائم کرنے کی کوشش کی۔ ذوالفقار علی بھٹو' بے نظیر بھٹو اور نواز شریف صاحب کے خلاف اس لیے تحریکیں اٹھیں کہ انھوں نے اسی شاخ کو کاٹ ڈالا تھا جس پر وہ خود بیٹھے ہوئے تھے۔ سیاسی حکومتیں جمہور کی طاقت اور راے عامہ کی قوت سے چلتی ہیں۔ جب وہ عوامی امنگوں کو نظرانداز کر کے قانون اور آئینی ضابطوں کو توڑنے کے درپے ہوجاتی ہیں تو وہ خود اپنی بنیادوں پر کلہاڑا چلاتی ہیں اور فوج کے طالع آزما' خودغرض اور بڑی طاقتوں کے آلہ کار جرنیل اس موقع کو غنیمت جان کر قومی وسائل کو خوانِ یغما سمجھ کر اس پر پل پڑتے ہیں۔

مستقبل میں کسی تحریک کی کامیابی کا انحصار اس پر ہے کہ ہم کس حد تک عوام کو ایک مخلص قیادت کے گرد جمع کرسکتے ہیں اور کس حد تک انھیں آخری منزل تک متحرک رکھنے کا ولولہ دے سکتے ہیں۔ ماضی میں تحریک چلانے والے قائدین کی نظر بھی آخری منزل کی بجاے موجود حکمران سے نجات حاصل کرنے تک محدود رہی' اس لیے عوام نے ایوب خان کے خلاف تحریک چلائی تو یحییٰ خان کے اقتدار سنبھالنے پر ختم کردی۔ قومی اتحاد نے بھٹو صاحب کی جگہ ضیاء الحق کو قبول کرلیا اور بے نظیر اور نواز شریف کے بعد وہ پرویز مشرف کے جھانسے میں آگئے۔ موجودہ تحریک اس وقت تک جاری رہنی چاہیے جب تک ایک مہذب' جمہوری' شائستہ اور آئین کی پابند اور عدالتوں کا احترام کرنے والی اسلامی جمہوری حکومت قائم نہ ہوجائے۔

تحریک ہمیشہ مختلف مراحل سے گزر کر زور پکڑتی ہے۔ پہلے مرحلے میں قیادت یکسوئی کے ساتھ اہداف متعین کر کے عوام کو متحرک کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ وہ عوام کو ایک واضح پروگرام دے کر پکارتی ہے۔ قیادت کی پکار پر متعلقہ سیاسی اور دینی جماعتوں کے کارکن لبیک کہتے ہیں۔ کارکن اپنی قیادت کی رہنمائی میں قربانی دیتے ہیں اور پھر عوام میدان میں نکلتے ہیں۔ اس

وقت ہم اس تحریک کے دوسرے مرحلے میں ہیں۔مجلسِ عمل کے کارکن اپنی قیادت کی پکار پر میدان میں ہیں ۔حج اورعید کے بعدان شاءاللہ قیادت اورکارکنوں کے ساتھ ہی عوام کا جم غفیر بھی پرویز مشرف کی غیر آئینی اور بلا جواز حکومت کے خلاف میدان میں آئے گا ۔لوگ پرویز مشرف کی امریکا نواز پالیسیوں کے خلاف ہیں ۔

عراق اورافغانستان میں امریکا جومظالم ڈھا رہا ہے اوراس نے مسلمان عوام کو نئے سرے سے سرمایہ دارانہ نظام کے چنگل میں جکڑنے کے لیے جال پھیلا یا ہے' عوام پرویزمشرف کی ایسی حکومت کوقبول کرنے کے حق میں نہیں ہیں جو ملک کو امریکا کا طفیلی لادین ملک بنانے پرتلی ہوئی ہے۔عوام میڈیا کے ذریعے فحاشی اور عریانی کی تحریک کی مذمت کرتے ہیں ۔جس طرح سکولوں اورکالجوں میں مخلوط معاشرے کی حوصلہ افزائی کی جارہی ہے اور جس طرح ہمارے خاندانی نظام اور ہمارے معاشرتی اقدارکو پامال کیا جارہا ہے' عوام اس سے اظہار بیزاری اورنفرت کرتے ہیں ۔ پرویز مشرف اوراس کے نامزد وزیراعظم کے دعووں کے علی الرغم ملک کے عوام غربت اور مہنگائی کی چکی میں پس رہے ہیں' تجارتی خسارہ بڑھ رہا ہے' ملک میں ہرسو بدامنی' ڈاکا زنی اور افراتفری ہے اورعوام اس صورتِ حال کے خلاف کسی بڑی تحریک کے انتظار میں ہیں ۔

متحدہ حزبِ اختلاف

حزبِ مخالف کی سیاسی جماعتیں بھی باہمی اتحاد کے لیےمشترک بنیادوں کی تلاش میں ہیں اورآپس میں ایک دوسرے کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کی کوشش کررہی ہیں ۔۱۹۷۳ء کا دستور اپوزیشن جماعتوں کو مشترک بنیاد فراہم کرتا ہے ۔اگرچہ پیپلز پارٹی' مسلم لیگ اوربعض دوسری جماعتیں مطالبہ کررہی ہیں کہ مجلسِ عمل سترھویں آئینی ترمیم سے اعلان بیزاری کردے لیکن چونکہ سترھویں آئینی ترمیم کا تقاضا پورا کرنے سے خود پرویز مشرف نے راہِ فرار اختیار کی ہے اورعملاً اس دستوری عہد کے ایک حصے کو من مانے طور پرمنسوخ کردیا ہے' اس لیے مجلسِ عمل کو بھی قانوناً اور اخلاقاً سترھویں ترمیم سے اعلان بیزاری کرنے میں کوئی عار نہیں ہے۔

اس وقت حزبِ مخالف کی جماعتیں اس بات پر متفق ہیں کہ پرویز مشرف کی حکومت

ناجائز، غیر آئینی اور غیر قانونی ہے اور اس کا کوئی اخلاقی جواز نہیں ہے۔ اس کی جگہ کیا ہونا چاہیے؟ ایک منتخب اور جائز حکومت کے قیام کے لیے کون سا طریقہ کار اختیار کرنے کی ضرورت ہے؟ اس کے لیے عافیت کا راستہ تو یہی تھا کہ پرویز مشرف سترھویں ترمیم کو قبول کر کے اپنے عہد کا پاس کرتے اور فوج کی سربراہی سے دست بردار ہوکر جمہوریت کے راستے کی بڑی رکاوٹ دور کرتے، لیکن ان کو اللہ نے عزت کا یہ راستہ اختیار کرنے کی توفیق نہیں دی۔ اب عوام انھیں صدر نہ چیف آف آرمی سٹاف قبول کرنے کے لیے تیار ہیں بلکہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ وہ دونوں عہدوں سے مستعفی ہو جائیں۔ آئین کے مطابق اس صورت میں عبوری سربراہ چیئرمین سینٹ ہوگا اور قومی اسمبلی کی اکثریتی پارٹی کا نمایندہ وزیراعظم ہوگا۔ لیکن کیا موجودہ حکمران پارٹی میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ پرویز مشرف کے بغیر اپنی یک جہتی کو برقرار رکھ سکے؟

حکمرانوں کے لیے لمحۂ فکریہ!

حزبِ مخالف کی جماعتیں اور خاص طور پر متحدہ مجلسِ عمل، حکمران جماعت کو دعوت دیتی ہے کہ وہ اس امکان پر غور کرے اور اس سے قبل کہ عوامی سیلاب سب کچھ بہالے جائے، وہ پرویز مشرف کو فارغ کرنے کے آئینی راستے کو قبول کرے۔ مجلسِ عمل کے ساتھ معاہدہ، حکمران جماعت اور فوج کے اہم سرکردہ افراد نے کیا تھا اور پرویز مشرف کے ساتھ حکمران جماعت اور فوج کے ہر اہم سرکردہ عناصر سب بدعہدی کا شکار ہوئے ہیں۔ اس بدعہدی کے سبب قوم کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہا کہ وہ اپنے حقوق کے لیے عوامی جدوجہد کا وہی راستہ اختیار کرے جس کی تازہ ترین مثال یوکرائن کے عوام نے پیش کی ہے اور اس سے کچھ عرصہ قبل ارجنٹائن اور یوراگوئے میں جس کا تجربہ ہو چکا ہے۔

اس تحریک میں مسلمان خواتین کا کردار بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ امریکی عالمی نظام کے تحت کوشش کی جا رہی ہے کہ مسلمان خواتین کو اسلامی قوانین کے خلاف اکسایا جائے۔ مغربی تہذیب نے عورت کی جو گت بنائی ہے جس طرح اس کا لباس اتروا کر اس کو رسوا کیا گیا ہے اور جس طرح آزادی اور حقوق کے نام پر دھوکا دے کر اسے مردوں کے تفنن طبع اور جنسی ہوس

کا ذریعہ بنایا گیا ہے' وہ مسلمان خاتون سے چھپا ہوانہیں ہے۔مسلمان خواتین ہماری تہذیب اور ہماری نئی نسل کے اخلاق و کردار کی محافظ ہیں۔مسلمان خواتین میں قرآن کریم کی تعلیمات سے آگہی حاصل کرنے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کی مجالس میں شرکت کا جو شوق آج پایا جاتا ہے' یہ اسلامی تہذیب کے احیا کی بڑی علامتوں میں سے ہے۔اسلامی تہذیب وثقافت کی حفاظت کا بڑا ذریعہ خاندانی نظام اور گھر کی حفاظت ہے اور خواتین کا جہاد یہی ہے کہ اسلامی معاشرے کے اس بنیادی قلعے کی حفاظت کے لیے اپنی صلاحیتیں وقف کر دیں اور اس کے لیے قرآن کریم کی تعلیمات کو ذریعہ بنائیں۔

ملک اس وقت ایک نازک صورت حال سے دوچار ہے۔غفلت اور لاپروائی کی گنجایش نہیں۔حکمرانوں کی حکمت عملی یہ ہے کہ لوگوں کو لہو ولعب میں مبتلا کر کے حقیقی مسائل سے غافل کر دیا جائے۔ وہ بھول جائیں کہ یہ ملک کتنی قربانیوں سے اور کن عظیم مقاصد کے لیے حاصل کیا گیا تھا۔لیکن انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ قوم غافل نہیں' بیدار ہے۔اسے اپنے مقاصد کا شعور اور احساس ہے۔ وہ ان مقاصد کے لیے قربانیاں دینا جانتی ہے۔ وہ متحدہ مجلس عمل کی آواز پر لبیک کہے گی۔مرد اور عورت سب اٹھیں گے اور ایک ایسی تحریک برپا ہوگی جس کے نتیجے میں ملک صحیح سمت میں سفر شروع کرے گا اور بالآخر اپنی حقیقی منزل کو پالے گا۔ان شاءاللہ!